

فعلیہ کرسٹنٹی و سکترا الخلفاء الراشدين محمد بن عبد الله

ماہنامہ
جہلم

السنۃ

شمارہ نمبر
27

صفر ۱۴۳۲ھ، مطابق جنوری ۲۰۱۱ء

• اہل سنت کون؟

• قبروں پر گنبد بنانے کی شرعی حیثیت

• خلیفہ بلا فصل کون؟

• سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت

• جرابوں پر مسح اور اسلاف امت!

مدیر

محمد الامین عظیمی

رابطہ تخصص و تحقیق، جہلم، پاکستان



ماہنامہ السنة جہلم، شمارہ نمبر 27

صفر ۱۴۳۲ھ، الموافق جنوری ۲۰۱۰ء

| | | | |
|---|-----------------------------------|---------------------------|----|
| | اہل سنت کون؟ | حافظ ابو یحییٰ نور پوری | |
| 1 | قبروں پر گنبد بنانے کی شرعی حیثیت | غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری | 2 |
| 2 | خلیفہ بلا فصل کون؟ | غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری | 27 |
| 3 | سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت | حافظ ابو یحییٰ نور پوری | 46 |
| | جراہوں پر مسح اور اسلاف امت! | | |



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

قبروں پر گنبد بنانے کی شرعی حیثیت!

اسلام ایک ایسا معتدل مذہب ہے جس نے اپنی دعوت حق کی بنیاد ایسے اصولوں پر قائم کی، جن میں افراط و تفریط اور غلو و تقصیر کا شائبہ تک نہیں۔ یہ جن و انس کو صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا درس دیتا ہے۔ گم شدگانِ راہ حق اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی اور صحیح راہ پر گامزن کرتا ہے۔ اور ان تمام راستوں کو مسدود کرتا ہے، جن پر چل کر انسان مخلوق کی عبادت تک پہنچ سکتا ہے۔ شرک تک پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ قبروں کی حد درجہ تعظیم ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ آپ اپنی آنکھوں سے کر چکے ہیں۔

قبر پرستی یقیناً گمراہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قبروں کے متعلق شرعی احکام سے چشم پوشی اور ان کی شرعی حرمت سے تجاوز ہے۔ یہی اقدام انسان کو شرک تک لے جاتا ہے، بلکہ پہلی امتوں کا مثیل بنا دیتا ہے۔ علوم دینیہ سے ناواقف بعض لوگوں نے اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد قبروں کے حد درجہ احترام کو بنالیا ہے۔ تب ہی تو انہوں نے قبروں پر گنبد اور قبة بنا رکھے ہیں۔ ان کی بے پناہ نمائش و آرائش، حسن و زینت کر رکھی ہے۔ یہ پر شوکت اور دلنشین مقبرے نہ صرف شرک کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، بلکہ بدعات و خرافات کی آماجگاہیں بھی ہیں۔

قبروں پر قبة اور گنبد بنانا اتنی مہلک بدعت ہے جس کا آخری نتیجہ کفر اور ترکِ ایمان پر پہنچتا ہے۔ ان قبوں کی بدولت بعض لوگوں کی نہ صرف بقا و اوسطہ ہے، بلکہ ان کی شکم پروری کا بہترین ذریعہ بھی ہیں۔ جہاں تک ان کی تاریخ کا تعلق ہے تو اس امت میں سب سے پہلے یہ روش رافضیوں نے اختیار کی، بعد میں بریلویوں نے اپنائی، جیسا کہ:

مشہور شیعہ محمد حسن الحائری لکھتے ہیں:

وقالت الإمامية: يجوز بناء

القبور للأنبياء والأولياء، وتشبيدها وحفظها.

”امامیہ (شیعہ کا ایک گروہ) کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں پر تعمیر کرنا، ان کو پختہ کرنا اور ان کی حفاظت کرنا جائز ہے۔“ (البراهین الحلیہ: ص ۴۱)

صحابہ کرام، تابعین عظام کے دور میں قبروں پر شاید قبوں کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ صحیح احادیث اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال سے ان کے بارے میں مذمت ضرور ثابت ہے، جیسا کہ:

① سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یجصص القبر ، وأن یقعد علیہ ، وأن یسنی علیہ . ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔“ (صحیح مسلم: ۳۱۲/۱، ح: ۹۷۰)

② سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وقت وفات کچھ وصیتیں فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی:

”میری قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا۔“

أو سمعت فیہ شیئا ، قال : نعم ، من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .

”کیا اس بارے میں آپ نے کوئی بات سنی ہے؟ فرمایا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔“

(مسند الامام احمد: ۳۹۷/۴، وسندہ حسن)

③ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت ہے:

انّ النبی صلی اللہ

علیہ وسلم نہی ان یبنی علی القبر . ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے

سے منع فرمایا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۵۶۴، وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

وقد رأیت من الولاة من

یہدم بمکّة ما یبنی علیہا ، فلم أر الفقهاء یعیون ذلک .

”میں نے حکمرانوں کو مکہ مکرمہ میں قبروں پر سے عمارتیں گراتے دیکھا ہے۔ فقہائے کرام کو

میں نے اس پر کوئی اعتراض کرتے نہیں دیکھا۔“ (کتاب الام للشافعی : ۳۱۶/۱)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وکذلک

القباب التي على القبور ، يجب هدمها كلها ، لأنها أسست على معصية الرسول ، لأنه قد نهى عن البناء على القبور ... وقد أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بهدم القبور المشرفة ... فهدم القباب والبناء والمساجد التي بنيت عليها أولى وأحرى ، لأنه لعن متخذى المساجد عليها ، ونهى عن البناء عليه ، فيجب المبادرة والمساعدة إلى هدم ما لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعله ونهى عنه . ”اسی طرح ان سب قبوں کو گرانا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے قبروں پر عمارتوں سے منع فرمایا ہے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بلند قبروں کو گرانے کا حکم دیا ہے۔۔۔ چنانچہ قبوں، عمارتوں اور ان مساجد کو گرانا زیادہ ضروری، کیونکہ آپ ﷺ نے قبروں پر مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور قبروں پر عمارتیں بنانے سے منع فرمایا ہے، لہذا جس کام کو کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اس کے فاعل پر لعنت کی ہے، اسے جلد گرانا اور اس کام پر تعاون کرنا ضروری ہے۔“ (اغاثة اللفهان لابن القيم : ۳۲۷/۱)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۷۲۲-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: وأن يبنى عليه ، أى

على القبر لما ذكرنا ، ولفظ البناء عام يشمل سائر أنواع البناء ، فالكراهة تعم في الجميع . ”قبر پر عمارت بنانا (بھی ممنوع ہے)، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے

ہیں۔ بناء (عمارت) کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی عمارت کو شامل ہے، لہذا ہر قسم کی عمارت میں

کراہت عام ہے۔“ (شرح ابی داؤد للعینی : ۱۸۲/۶)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰-۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: فاتخاذ

المساجد على القبور ، والصلاة فيها ، والبناء عليها ، إلى غير ذلك ما تضمنته

السنة من النهی عنه ممنوع ، لا يجوز . ”قبروں پر مساجد کی تعمیر، ان میں نماز کا اہتمام، ان پر عمارتیں بنانا وغیرہ امور، جن کی ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے، یہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں۔“ (تفسیر القرطبی : ۱۰/۳۷۹)

⑦ حیان بن حصین ابوالہیاج الاسدی تابعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں:

قال لی علی بن أبی طالب : ألا أبعثک علی بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ أن لا تدع تمثالا إلا طمسته ، ولا قبرا مشرفا إلا سوّيته ... ”سیدنا علی بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا؟ کوئی مورتی دیکھو تو اس کو مٹا دو اور کوئی بلند قبر دیکھو تو اس کو برابر کر دو۔“ (صحیح مسلم : ۱/۳۱۲، ح : ۹۶۹)

علامہ شوکانی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیہ — أی الحدیث — أن من السنة أن القبر لا يرفع رفعا كثيرا ، من غير فرق بين من كان فاضلا ، ومن كان غير فاضل ، والظاهر : أن رفع القبور زيادة على القدر المأذون فيه محرّم ... ومن رفع القبور الداخل تحت الحدیث دخولا أولیا : القبر والمشاهد المعمورة على القبور ، وأیضا هو من اتخاذ القبور مساجد ، وقد لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعل ذلك ، وکم قد سرى عن تشييد أبنية القبور وتحسينها من مفاسد يبکی لها الإسلام منها : اعتقاد الجهلة لها كاعتقاد الكفار للأصنام وعظم ذلك ، فظنوا أنها قادرة على جلب النفع ودفع الضرر ، فجعلوها مقصدا لطلب قضاء الحوائج وملجأ لنجاح المطالب ، وسألوا منها ما يسأله العباد من ربهم وشدّوا إليها الرحال وتمسّحوا بها واستغاثوا ، وبالجملة إنهم لم يدعوا شيئا ممّا كانت الجاهلية تفعله بالأصنام إلا فعلوه ، فإنّا لله وإنّا إليه راجعون ، ومع هذا المنكر الشنيع والكفر

الفظيع لا نجد من يغضب لله ويغار حمية للدين الحنيف ، لا عالما ولا متعلما ولا أميرا ولا وزيرا ولا ملكا ، وقد توارد إلينا من الأخبار ما لا يشكّ معه أنّ كثيرا من هؤلاء المقبورين أو أكثرهم إذا توجّهت عليه يمين من جهة خصمه حلف بالله فاجرا ، فإذا قيل له بعد ذلك : احلف بشيخك ومعتقدك الوليّ الفلاني تلعثم وتلكأ وأبى واعترف بالحقّ ، وهذا من أبين الأدلّة الدالة على أنّ شركهم قد بلغ فوق شرك من قال : إنّّه تعالى ثانی اثین أو ثالث ثلاثة ، فیا علماء الدین ویا ملوک المسلمین ! آی رزء للإسلام أشدّ من الکفر ، وایّ بلاء لهذا الدین أضّرّ علیه من عبادة غیر الله ، وایّ مصیبة یصاب بها المسلمون تعدل هذه المصیبة ، وایّ منکر یجب إنکاره إن لم یکن هذا الشّرك البین واجبا :

لقد أسمعت لو نادیت حیّا ولكن لا حياة لمن تنادی

ولو ناراً نفخت بها أضواء ولكن أنت تنفخ فی الرماد

”اس حدیث میں بیان ہے کہ فاضل وغیر فاضل کا فرق کیے بغیر قبر کو زیادہ اونچا نہ کرنا مسنون ہے۔ ظاہر ہے کہ قبروں کو مقررہ مقدار سے زیادہ اونچا کرنا حرام ہے۔۔۔ اس حدیث میں قبروں کو اونچا کرنے کی ممانعت میں سب سے پہلے قبے اور پُر رونق مزارات داخل ہیں۔ یہ قبروں پر مساجد بنانے کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ قبروں کو پختہ بنانے اور ان کی آرائش و زیبائش میں کتنے ہی ایسے مفاسد مضمحل ہیں، جن پر اسلام روتا ہے۔ ان مفاسد میں سے ایک جاہل لوگوں کا وہ اعتقاد ہے جو کفار کے بتوں کے بارے میں اعتقاد سے ملتا جلتا ہے، بلکہ اس سے گھمبیر ہے۔ انہوں نے ان قبروں کو نفع پہنچانے اور نقصان ہٹانے پر قادر سمجھ لیا ہے۔ انہوں نے ان قبروں کو حاجت روائی کا مرکز اور مقاصد کے حصول کے لیے پناہ گاہ بنا لیا ہے۔ جو کچھ بندے اپنے رب سے مانگتے ہیں، انہوں

نے وہ کچھ قبروں سے مانگنا شروع کر دیا ہے۔ ان کی طرف رختِ سفر باندھنے لگے ہیں، ان کو متبرک سمجھ لیا ہے اور ان سے فریادیں کرنے لگے ہیں۔ الغرض انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو اہل جاہلیت نے بتوں کے ساتھ کیا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ .

پھر اس قبیح بُرائی اور گندے کفر کے مقابلے میں ہم کسی عالم و متعلم، امیر و وزیر اور بادشاہ کو نہیں پاتے جو اللہ کے لیے غصے کا اظہار کرے اور دینی غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرے۔ ہمارے پاس ایسی بہت سی یقینی خبریں پہنچی ہیں کہ ان قبر پرستوں کی اکثریت ایسی ہے کہ اگر اسے اپنے مخالف کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم اُٹھانے کا مطالبہ آئے تو وہ ایسا کر گزرتا ہے، لیکن اگر اسے کہا جائے کہ تُو اپنے شیخ یا اپنے فلاں پیر کی قسم اُٹھا تو وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور انکار کر کے حق کا اعتراف کر لیتا ہے۔ یہ واضح دلائل ہیں کہ ان لوگوں کا شرک دو الہوں یا تین الہوں کے قائلین سے بڑھ گیا ہے۔ اے علمائے دین اور اے مسلمانوں کے حکمرانو! کفر سے بڑھ کر اسلام کو نقصان کس چیز کا ہوگا؟ غیر اللہ کی عبادت سے بڑھ کر کون سی چیز اس دین کے لیے زیادہ ضرر رساں ہے؟ مسلمانوں کو پہنچنے والے مصائب میں سے اس سے بڑھ کر مصیبت کون سی ہوگی؟ اس واضح شرک سے بڑھ کر اور کون سی بُرائی کو روکنا واجب ہوگا؟

اگر تم زندہ کو پکارتے تو اپنی بات سنانے میں کامیاب ہو جاتے

لیکن جس کو تم پکار رہے ہو، اس میں زندگی کی کوئی رمت باقی نہیں

اگر تم آگ (کے انگاروں) میں پھونکتے تو وہ بھڑکتی

لیکن تم تو خاک میں پھونکیں مارتے پھر رہے ہو۔“

(نبیل الاوطار للشوکانی : ۹۵/۴)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ (۳۸۴-۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ولا یحلّ أن ینسئ

القبر ، ولا أن یحصّص ، ولا أن یزاد علی ترابہ شیء ، ویهدم کلّ ذلک .

”قبر پر کوئی عمارت بنانا، اس کو پختہ کرنا، اس کی (کھودی ہوئی) مٹی سے زائد مٹی ڈالنا جائز

نہیں۔ ان سب چیزوں کو گرا دیا جائے گا۔“ (المحلی لابن حزم: ۳۳/۵)

⑤ ثمامہ بن شفی کہتے ہیں: کنا مع فضالة بن عبید بأرض

الروم برودسن، فتوقی صاحب لنا، فأمر فضالة بن عبید بقبره، فسوی، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بتسويتها.

”ہم سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کی سرزمین میں رودن نامی جگہ میں تھے۔ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا تو ہمیں سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر برابر کرنے کا حکم دیا اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے سنا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۳۱۲/۱، ح: ۹۶۸)

⑥ ابو جریز تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إن تسوية القبور من السنة، وقد رفعت اليهود والنصارى، فلا تشبهوا بهم.

”قبروں کو برابر کرنا سنت ہے۔ یہود و نصاریٰ نے قبروں کو بلند کیا ہے، تم ان کی مشابہت نہ کرو۔“ (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۹/۱۵۲، ح: ۸۲۳، اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ: ۱/۲۹۷، وسندہ صحیح)

⑦ ابو جریز تابعی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: تسوية القبور من السنة.

”قبروں کو برابر کرنا سنت ہے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۳۴۲، وسندہ صحیح)

⑧ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رحمہ اللہ نے یہ وصیت فرمائی تھی:

يا بنی! لا تكتب على قبری، ولا تشرفه إلا قدر ما یرد عنی الماء.

”بیٹا! میری قبر پر کچھ نہ لکھنا، نہ ہی اسے بلند کرنا، مگر اتنا کہ مجھ سے پانی ہٹ جائے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۳۳۵، وسندہ حسن)

⑨ عمرو بن شریل نے فرمایا: ولا ترفعوا جدثی، فإنی رأیت

المهاجرین یكروهن ذلک. ”تم میری قبر کو اونچا نہ کرنا، کیونکہ میں نے

مہاجرین صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے۔“

(الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۰۸/۶، وسندہ صحیح)

⑩ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:
ورفع قبرہ من الأرض نحو من شبر . ”آپ ﷺ کی قبر زمین سے

تقریباً ایک باشت اونچی کی گئی تھی۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: ۴۰۷/۳، وصححه ابن حبان: ۶۶۳۵، وسندہ صحیح)

سفیان التمار کہتے ہیں: دخلت البيت الذي فيه قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، فرأيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر أبي بكر وعمر مسنمة . ”میں اس حجرے میں داخل ہوا جس میں نبی اکرم ﷺ کی قبر

مبارک ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کو کوہان نما دیکھا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۳/۳، صحيح البخارى: ۱۸۶/۱، ح: ۱۳۹۰ مختصراً، وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دخلت على عائشة ، فقلت : يا أمه ! اكشفي لى عن قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبيه ، فكشفت عن ثلاثة قبور ، لا مشرفة ولا طئة ، مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء .

”میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا: اے امی جان! میرے لیے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں کھولیں (یعنی اپنا حجرہ کھولیں) تو انہوں نے میرے لیے تینوں قبریں کھولیں۔ نہ وہ اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین کے ساتھ برابر بچھی ہوئی تھیں۔ میدان کی سرخ کنکریاں ان پر بچھی ہوئی تھیں۔“

(سنن ابی داؤد: ۳۲۲۰، وسندہ حسن)

امام حاکم رحمہ اللہ (۳۶۹/۱) نے اس اثر کو ”صحیح“ کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی

موافقت کی ہے۔

اس کے راوی عمرو بن عثمان بن ہانی کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”الثقات“ (۸/۴۷۸) میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کر دی ہے، لہذا یہ ”حسن الحدیث“ ہے۔

قبروں کے دلائل

اب ہم ان لوگوں کے دلائل کا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں جو انبیاء، اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانے کے قائل و فاعل ہیں۔ یقین جانیں کہ اس مسئلہ میں ان کا دامن دلائل سے بالکل خالی ہے، بلکہ ان کا یہ اقدام احادیث صحیحہ اور آثارِ قویہ کے سراسر خلاف ہے، جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں۔ انہوں نے عقیدہ روافض سے مستعار لیا ہے۔

① امام بریلویت احمد یار خان نعیمی بریلوی اولیاء اللہ کی قبروں پر گنبد بنانے کے حوالے سے اپنی پہلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

”جب نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا، ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر رکھا اور فرمایا: **أَتَعْلَمُ بَهَا قَبْرَ أَخِي، وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مِنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِي.** (میں اس پتھر سے اپنے بھائی کی قبر کو پہنچانوں گا اور اپنے فوت ہونے والے رشتہ داروں کو اس کے ساتھ دفن کروں گا۔) (سنن ابی داؤد: ۳۲۰۶، تاریخ المدینہ: ۱/۱۰۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/۴۱۲، وسندہ حسن، وحسن إسناده الحافظ ابن حجر فی التلخیص الحبیر: ۲/۱۳۳، ح: ۷۹۴)

تبصرہ: اس کو کہتے ہیں: ”سوال گندم، جواب چنا۔“

بنانے چلے تھے قبروں پر گنبد اور دلیل پیش کر دی ہے قبر پر نشانی کے طور پر پتھر رکھنے کی۔ بھلا اس کا کون منکر ہے؟ ہمیں دلیل پیش کریں قبر پر گنبد اور مقبرہ بنانے کی۔

قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ کیا اس حدیث کو قبروں پر گنبد بنانے کے ثبوت میں

پیش کرنا عقل اور علم پر ظلم نہیں ہے؟

② خارجہ بن یزید کہتے ہیں: رأيتني ، ونحن شبان في زمن

عثمان رضي الله عنه ، وإن أشدنا وثبة الذي يشب قبر عثمان بن مظعون ، حتى يجاوزه . ”مجھے یاد ہے کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوان تھے۔ ہم

میں سے زیادہ مضبوط وہ ہوتا تھا، جو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو گود کر پھلانگ جاتا تھا۔“

(صحيح البخارى : ۱/۱۸۲، قبل حديث : ۱۳۶۱، التاريخ الصغير : ۱۴۶، وسنده حسن)

جناب ”مفتی“ احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ”بخاری کی اس روایت

سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ

مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پتھر لگایا، اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا

کر دیا، بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر

سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے

لیے قبر کچھ اونچی کر دی جائے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ کسی

بزرگ کی قبر ہے۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۳)

تبصرہ :

قارئین کرام نے نعیمی صاحب کی پریشانی ملاحظہ فرمائی ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: ثم حملها ، فوضعها عند رأسه .

”پھر آپ ﷺ نے اس پتھر کو اٹھا کر ان (سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کی قبر کے سرہانے

رکھ دیا۔“ لیکن مفتی صاحب کبھی کہتے ہیں: ”ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر

نصب فرمایا۔“ کبھی کہتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا۔“

اور کبھی کہتے ہیں: ”خود قبر میں سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی

تھی، مگر سرہانے کا ذکر کیا۔“ وغیرہ

بھلا اس طرح ”صُغْرے کُبرے“ جوڑنے سے قبروں پر گنبد بن جائیں گے؟ بات بالکل سیدھی سی تھی کہ بطور نشان اس قبر کے سرہانے آپ ﷺ نے وہ پتھر رکھا۔ یہ جائز امر ہے۔ آج بھی بطور نشان قبر پر پتھر رکھا جاسکتا ہے۔ رہا قبر پھلانگنا تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ قبر اتنی اونچی تھی کہ اس کو پھلانگنا مشکل تھا، بلکہ قبر کی لمبائی کی طرف اشارہ ہے کہ اس قدر لمبی قبر تھی کہ پھلانگنا مشکل تھا۔ بہر حال جو بھی ہو، اس سے قبروں پر قبے بنانے کا ثبوت فراہم کرنا فریب کاری ہے۔

③ قرآن کریم نے اصحابِ کھف کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا﴾ (الكهف: ۲۱)

”وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحابِ کھف پر مسجد بنائیں گے۔“

(”جاء الحق“ از نعیمی: جلد ۱ ص ۲۸۳)

تبصرہ: اس سے قطع نظر کہ اصحابِ کھف کی غار پر قبر بنانے والے لوگ

مسلمان تھے یا مشرک، ان کے مسجد بنانے کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أَكْرَمُوا إِخْوَانَكُمْ، قَالَ: فَنَظَرُوا فِي أَمْرِهِمْ، فَقَالُوا: لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم

مَسْجِدًا، فَجَعَلُوا يَصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُمْ، وَيَدْعُونَ لَهُمْ.

”(ان لوگوں نے کہا) اپنے بھائیوں کی عزت کرو۔ انہوں نے غور و فکر کے بعد کہا کہ ہم

ان پر مسجد بنائیں گے۔ پھر وہ ان پر نماز جنازہ پڑھنے لگے، ان کے لیے استغفار کرنے لگے اور

ان کے حق میں دعا مانگنے لگے۔“ (تغلیق التعليق لابن حجر: ۴/۲۴۶، وسندہ صحیح)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

بس بات اتنی تھی، اس سے قبروں پر بڑے بڑے قبوں کا جواز کیسے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَإِنَّ بِنَاءَ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُورِ

لَيْسَ مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ، بَلْكَ هُوَ مِنْهُيَّ عَنْهُ بِالنُّصُوصِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللہ علیہ وسلم و اتفاق ائمة الدين ، بل لا يجوز اتخاذ القبور مساجد ، سواء كان ذلك ببناء المساجد عليها أو بقصد الصلاة عندها ، بل أئمة الدين متفقون على النهي عن ذلك . ”قبروں پر مسجدیں بنانے کا تعلق مسلمانوں

کے دین سے نہیں ہو سکتا، بلکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ نصوص اور ائمہ دین کے اجماع میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ قبروں کو مسجدیں بنانا جائز ہی نہیں، خواہ ان پر مسجدیں بنا کر یہ کام کیا جائے یا ان کے نزدیک نماز پڑھ کر۔ تمام ائمہ دین اس سے روکنے پر متفق ہیں۔“

(مجموع الفتاوى لابن تيمية : ٤٨٨/٢٧)

علامہ آلوسی حنفی (۱۲۱۷-۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: واستدل بالآية على جواز البناء على قبور الصالحاء واتخاذ مسجد عليها ، وجواز الصلاة في ذلك ، وممن ذكر ذلك الشهاب الخفاجي في حواشيه على البيضاوي ، وهو قول باطل ، فاسد ، كاسد . ”اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صلحاء کی قبروں پر عمارت و مسجد بنانا جائز ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔ شہاب خفاجی نے بیضاوی پر اپنے حاشیوں میں یہ بات کی ہے۔ یہ قول باطل، فاسد اور بالکل بودا ہے۔“

(تفسير روح المعاني للآلوسی : ٢٣٧/١٥)

نیز فرماتے ہیں: وقد رأيت من يبيح ما يفعله الجهلة في قبور الصالحين من أشرفها ، وبنائه بالجص والآجر وتعليق القناديل عليها ، والصلاة إليها ، والطواف بها ، واستلامها ، والاجتماع عندها في أوقات مخصوصة ، إلى غير ذلك محتجاً بهذه الآية الكريمة ، وبما جاء في بعض روايات القصة من جعل الملك لهم في كل سنة عيداً ، وجعله إياهم في توأيت من ساج ... وكل ذلك محادة لله تعالى ورسوله ، وإبداع دين لم يأذن به الله عز وجل .

”میں نے لوگوں کو نیک لوگوں کی قبروں پر جاہلیت پر مبنی کام کرتے دیکھا ہے۔ وہ ان کو اونچا کرتے ہیں، چو نے اور اینٹوں کے ساتھ پختہ بناتے ہیں، ان پر قندیلیں لٹکاتے ہیں، ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، ان کو چومتے ہیں، مخصوص اوقات میں ان کے پاس جمع ہوتے ہیں، وغیرہ۔ وہ دلیل اس آیت کریمہ سے لیتے ہیں، نیز اصحاب کہف کے قصہ میں جو یہ ذکر ہے کہ بادشاہ ہر سال عید مناتا تھا اور اس نے انہیں لکڑی کے ایک تابوت میں رکھ دیا تھا۔۔۔ یہ سب کچھ اللہ و رسول کی مخالفت ہے اور ایسے دین کی ایجاد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔“ (تفسیر روح المعانی : ۲۳۹/۱۵)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۳۶-۷۹۵ھ) لکھتے ہیں: وقد دل القرآن على مثل ما دل عليه هذا الحديث ، وهو قول الله عز وجل في قصة أصحاب الكهف : ﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۖ ﴾ (الكهف : ۱۲) ، فجعل اتّخاذ القبور على المساجد من فعل أهل الغلبة على الأمور ، وذلك يشعر بأنّ مستند القهر والغلبة واتباع الهوى ، وأنّه ليس من فعل أهل العلم والفضل المتبعين لما أنزل الله على رسله من الهدى .

”قرآن کریم نے بھی وہی بات بیان کی ہے، جو حدیث نبوی نے بیان کی ہے۔ اصحاب کہف کے قصے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۖ ﴾ (الكهف : ۱۲) (ان کے معاملے پر کنٹرول رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ہم ضرور ان پر مسجد بنائیں گے)۔ قبروں پر مساجد بنانے کا کام معاملات چلانے والے لوگوں کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اعتماد غلبے، تسلط اور خواہش نفس پر تھا، نیز یہ ان اہل علم و فضل کا کام نہیں جو رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔“

(فتح الباری لابن رجب : ۳۹۷/۲)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰-۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وذهب الجمهور إلى

اَنَّ هذا الارتفاع المأمور بإزالته هو ما زاد على التسنيم ، ويبقى القبر ما يعرف به ويحترم ، وذلك صفة قبر نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبيه رضى الله عنهما . ”جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قبر کی جس اونچائی کو گرانے کا حکم

ہے، وہ ہے جو کوہان نما بننے سے زائد ہو۔ اتنی قبر باقی رکھی جائے گی کہ اس کی پہچان رہے اور اس کا احترام رہے۔ ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کا یہی حال ہے۔“ (تفسیر القرطبی : ۱۰ / ۳۸۰)

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ”قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا۔ ایک تو اصحابِ کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا، دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا۔ اور کسی بات کا ذکر نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۴)

تبصرہ : مفتی صاحب بے چارے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ کوئی بھی دلیل قبر پر گنبد بنانے کے حوالے سے نہیں مل سکی۔ اب قرآن کریم پر جھوٹ باندھنے پر تئل گئے ہیں۔ ”اصحابِ کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا“ یہ قرآن کریم کی کس آیت کا مفہوم ومعنی ہے؟ ہم نے آیت کریمہ کی تفسیر میں مسجدا کا مفہوم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے باسند صحیح بیان کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے قبوں اور گنبدوں کا جواز نکالنا سراسر تحریفِ قرآن ہے۔ انبیاء کی قبروں پر مسجدیں یہودی بناتے تھے یا پھر روافض۔ اب یہ جھنڈا اپنے آپ کو سنی کہلوانے والوں نے تھام لیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: اَنَّ اُمَّ حَبِيبَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرٌ ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : ((إِنَّ أَوْلَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهٖ

مسجداً وصوروا فيه تلك الصور ، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة)) .

”سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصاویر تھیں۔ انہوں نے اس کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس طرح کی تصویریں بناتے۔ یہ لوگ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک ساری مخلوق سے بُرے ہوں گے۔“

(صحیح البخاری : ۶۲/۱ ، ح : ۴۳۴ ، صحیح مسلم : ۲۰۱/۱ ، ح : ۵۲۸ ، واللفظ له)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مرضِ موت میں فرمایا:

لعن الله اليهود والنصارى ، اتخذوا قبور أنبيائهم مسجدا ، قالت : ولولا ذلك لأبرز قبره ، غير أنني أخشى أن يتخذ مسجدا .

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کھلی رکھی جاتی، نیز مجھے خدشہ ہے کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔“

(صحیح البخاری : ۱۷۷/۱ ، ح : ۱۳۳۰ ، صحیح مسلم : ۲۰۱/۱ ، ح : ۵۲۹)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا:

((ألا إن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد ، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد ، إني أنهاكم عن ذلك)) .

”خبردار! تم سے پہلے لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔“

(صحیح مسلم : ۲۰۱/۱ ، ح : ۵۳۲)

اب آپ ان احادیثِ مبارکہ پر غور کریں اور مفتی صاحب کی ”منطق“ بھی ملاحظہ

فرمائیں: ”دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔“ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: **فہذہ**

المساجد مبنیۃ علی قبور الأنبياء والصالحين والملوک وغیرہم یتعین إزالتها
بہدم أو بغيره . هذا ممّا لا أعلم فيه خلافا بين العلماء المعروفين .

”یہ جو مسجدیں انبیاء و صلحاء اور بادشاہوں کی قبروں پر بنی ہوئی ہیں، ان کو گرا کر یا کسی
اور طریقے سے ختم کرنا ضروری ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس میں معروف علمائے کرام کے درمیان
کوئی اختلاف میرے علم کے مطابق نہیں۔“ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ: ۱/۳۳۰)

مفتی صاحب حواس باختہ ہو کر لکھتے ہیں: ”حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت
صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے، پھر دفن
کرتے۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی: جلد ۱ ص ۲۸۴)

تبصرہ: یہاں جائز و ناجائز کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ اس خدشہ کے

پیش نظر کیا گیا کہ لوگ کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی
ہیں: ولولا ذلک لأبرز قبره ، غیر اُنّی أخشى أن يتخذ مسجدا .

”اگر اس بات کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی رکھی جاتی، نیز مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ
کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسجد نہ بنالیا جائے۔“

(صحیح البخاری: ۱/۱۷۷، ح: ۱۳۳۰، صحیح مسلم: ۱/۲۰۱، ح: ۵۲۸)

حیرانی اس بات پر ہے کہ جو بات عورتیں اور بچے سمجھ لیتے ہیں، وہ مفتی صاحب سمجھ نہیں
پائے۔ رہا حجرہ عائشہ پر گنبد کا مسئلہ تو یہ صدیوں بعد بدعتیوں کی کارروائی ہے۔ ورنہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محب کون تھا؟

جناب احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ”حضرت حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال

ہو گیا۔ ضربتِ امرأته القبة علی قبره سنة . ”توان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۵)

تبصرہ : نعیمی صاحب دھوکہ دہی میں بڑے ماہر ہیں، اسی لیے بدعتی ان کے شیدائی ہیں۔ جب قبروں پر گنبد بنانے کے ثبوت پر کوئی وضعی ومن گھڑت روایت بھی پیش نہ کر سکے تو ایک چال چل دی۔ چونکہ اس روایت میں ”القبة“ کا لفظ آیا تھا، ترجمہ میں بھی ”قبہ“ لکھ دیا کہ جاہل عوام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ حسن ابن حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان کی قبر پر ”قبہ“ بنایا تھا، لہذا بزرگوں کی قبروں پر گنبد و قبہ بنانا جائز ہوا، حالانکہ یہاں قبہ سے خیمہ مراد ہے۔ رہا مسئلہ اس روایت کے ماخذ و ثبوت کا تو لیجیے یہ روایت صحیح البخاری میں تعلیقاً موجود ہے۔

(صحیح البخاری : ۱۳۳۰)

اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر : ۵۸۳۴)

مفتی صاحب نے اس روایت کے اگلے الفاظ ذکر نہیں کیے، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ثم رفعت ، فسمعوا صائحاً يقول : ألا هل وجدوا ما فقدوا ؟ فأجابہ آخر : بل یئسوا فانقلبوا . ”پھر اس خیمہ کو اٹھالیا گیا۔ انہوں نے ایک پیچنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا: کیا انہوں نے جو گم پایا تھا، اسے حاصل کر لیا؟ دوسرے نے جواب دیا: بلکہ وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے ہیں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر خیمہ ان پر رونے کے لیے لگایا گیا تھا، نیز قبروں پر قبہ بنانے والے ناکام و مایوس ہی ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ : یہی روایت کتاب الہواتف لابن ابی الدنیا (۱۳۱) میں اس سند

کے ساتھ مذکور ہے: حدّثنی یوسف بن موسیٰ : ثنا جریر عن ابن خالد

ابن مسلمة القرشی ، قال ... اس سند میں ابن خالد بن مسلمہ القرشی کا

تعارف اور توثیق مطلوب ہے۔ نیز سند کا اتصال بھی ثابت کیا جائے۔

جناب نعیمی صاحب ، شعرانی صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبر

پر عمارت بنانا جائز ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں : ”اب تور جٹری ہوگئی کہ خود مذہب امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۷)

تبصرہ : مفتی صاحب ویسے ہی خوش ہو رہے ہیں۔ قرآن وحدیث سے

تو کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکے ، امام ابوحنیفہ کے اڑتے اڑتے قول پر خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ ہمارا

سوال ہے کہ شعرانی کو یہ قول شیطان نے وحی کیا ہے؟ ان لوگوں کی بے بسی پر رونا آتا ہے کہ یہ

بدعات اپنانے میں بے باک ہیں اور دلائل میں یتیم و مسکین ہیں۔

فائدہ نمبر ① : عمران بن ابی عطاء بیان کرتے ہیں :

شهدت وفاة ابن عباس ، فولیہ ابن الحنفیة ، فبنی علیہ بناء ثلاثة ایام .

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ابن الحنفیہ ان کے والی بنے۔ انہوں نے ان پر

تین دن خیمہ لگایا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ : ۳/۳۳۵)

اس کی سند ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

فائدہ نمبر ② : محمد بن المنکدر سے روایت ہے :

انّ عمر ضرب علی قبر زینب فسطاطا . ”عمر رضی اللہ عنہ نے زینب رضی اللہ عنہا کی

قبر پر خیمہ گاڑا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ : ۳/۳۳۵)

اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس میں ابو معشر (نحج بن عبد الرحمن السندی) راوی جمہور کے

نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

حافظ ابن العراقى رحمہ اللہ (۷۲۲-۸۲۶ھ) فرماتے ہیں: وهو ضعيف عند

الجمهور . ”یہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔“ (طرح الشریب : ۴/۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضعیف ، أسنّ ، واختلط .

”یہ ضعیف راوی ہے۔ عمر رسیدہ ہو کر اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔“ (تقریب التہذیب : ۷۱۰۰)

محمد بن المنجد رکا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع کا مسئلہ ابھی باقی ہے۔

فائدہ جلیکہ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی:

”أن لا یضربوا علی قبرہ فسطاطا .“ ”لوگ ان کی قبر پر خیمہ نہ گاڑیں۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ : ۳/۳۳۴، وسندہ صحیح)

جہاں کہیں قبہ کا لفظ آیا، یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ اس سے مراد قبر والا قبہ ہے، جبکہ اس قبہ سے مراد خیمہ ہے۔ بحث قبر پر خیمہ کے بارے میں نہیں، گنبد کے بارے میں ہے۔ اس کے بارے میں کوئی جھوٹی اور من گھڑت روایت بھی وارد نہیں ہوئی۔

جناب نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ”حضور ﷺ کے زمانہ میں خود لوگوں

کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور ﷺ ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب اس کو گرایا تب جواب دیا۔“

(”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۸۸)

تبصرہ : ”پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی“ وہ ممانعت کہاں ہے؟

نعیمی صاحب بدعات پر اس قدر رجحان رکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات پر جھوٹ باندھنے سے ذرا برابر جھک محسوس نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ ”صحابی نے پختہ مکان گرا دیا“ حالانکہ اس روایت میں پختہ مکان کا کہیں ذکر تک نہیں۔

روایت کے الفاظ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نکلے فرأى قبة مشرفة .

”آپ ﷺ نے ایک بلند قبر دیکھا“ اس کو ناپسند کیا تو صحابی نے اسے گرا دیا۔

(سنن ابی داؤد: ۵۲۳۵، مسند ابی یعلیٰ: ۴۳۴۷، مشکل الآثار للطحاوی: ۱/۴۱۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۷۰۵)

پھر اس روایت کی سند بھی ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی ابو طلحہ الاسدی ”مجهول الحال“ ہے۔ سوائے ابن حبان رحمہ اللہ کے اس کی توثیق کسی نے نہیں کی۔ یہ روایت جمیع سندوں کے ساتھ ”ضعیف“ ہے۔

مفتی صاحب نے قبر بنانے کی بجائے قبر گرانے کی بات شروع کر دی ہے۔

جناب نعیمی صاحب اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أُن يَسْنِي عَلَيْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں: اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جائے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔“

یہ زری جہالت ہے اور سلف صالحین کی مخالفت ہے، کیونکہ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں سمجھا جو نعیمی صاحب کو سوچھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: وقد رأيت من الولاية

من يهدم بمكة ما يبنى عليها، فلم أَرِ الفقهاء يعيبون ذلك .

”میں نے مکہ میں حکمرانوں کو دیکھا کہ وہ قبروں پر بنی عمارتیں گراتے تھے۔ فقہائے کرام

میں سے کسی کو میں نے اس پر اعتراض کرتے نہیں دیکھا۔ (کتاب الام للشافعی: ۱/۳۱۶)

کیا کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ لوگ قبروں پر دیوار بناتے تھے۔ حکمران لوگ اس کو گراتے تھے اور فقہاء اہل علم اُسے کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے؟

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۷۲۲-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: وأن يَسْنِي عَلَيْهِ ، أَى

على القبر لما ذكرنا ، ولفظ البناء عامّ يشمل سائر أنواع البناء ، فالكرهية تعم في الجميع .

”قبر پر عمارت بنانا (بھی ممنوع ہے)، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے

ہیں۔ بناء (عمارت) کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی عمارت کو شامل ہے، لہذا ہر قسم کی عمارت میں کراہت عام ہے۔“ (شرح ابی داؤد للعینی : ۶/۱۸۲)

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: ولا فائدة في البناء عليه ، فلذلك نهى عنه . ”قبر پر تعمیر کا کوئی فائدہ نہیں، اسی لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔“

(حاشیۃ السندی علی النسائی : ۴/۸۸)

جیسے کہا جاتا ہے: بنی السلطان علی مدینة کذا أو علی قرية کذا سور۱ . ”فلاں بادشاہ نے فلاں شہر یا بستی پر فیصل بنائی ہے۔“

حالانکہ یہ فیصل بستی یا شہر کے اوپر نہیں بنائی جاتی، بلکہ اس کے ارد گرد واقع ہوتی ہے۔ عربی زبان میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق جواب دیتے ہوئے نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ”جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے، وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔“ (”جاء الحق“ از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۹۳)

اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ مفتی صاحب خواجہ پریشان ہو گئے ہیں۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ قبر پر مٹی کی مقدار زیادہ ڈالی جاتی ہے۔ وہ قبر اونچائی میں شرعی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ حرام ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیجا کہ شرعی حد سے اونچی قبر کو شرعی حد کے مطابق اونچا کر دو، نہ کہ قبروں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ علامہ عینی حنفی (۷۲-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

قال ابن الجوزی فی التحقيق : وهذا محمول علی ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء الحسن العالی .

”ابن الجوزی نے اپنی کتاب التحقيق میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مصداق وہ کام تھا جو وہ لوگ خوبصورت، بلند عمارت کے ساتھ قبروں کو اونچا کرتے تھے۔“

(شرح ابی داؤد للعینی : ۱۷۴/۶)

مفتی صاحب کہتے ہیں کہ قبریں تو نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں بنتی تھیں۔ کیا ہر قبر نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں بنائی جاتی تھی؟

دلیل یہ دیتے ہیں کہ عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت . ”حضور ﷺ نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا، پس اکھیڑ دی گئیں۔“ (”جاء الحق“ : جلد ۱ ص ۲۹۴)

تبصرہ : یہ روایت صحیح البخاری (۱/۶۱، ج: ۲۲۸) اور صحیح مسلم (۱/۲۰۰، ج:

۵۲۴) میں ہے۔ مفتی صاحب کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قبروں کے متعلق جو حکم دیا تھا، وہ ان کو اکھیڑنے کے متعلق نہیں تھا، نہ ہی ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا تھا، بلکہ شریعت کے مطابق قبر کی اونچائی کو برقرار رکھنے کا تھا۔ جبکہ صحیح البخاری و مسلم والی حدیث میں مشرکین کی قبروں کو اکھیڑنے کا حکم دیا گیا۔ اس کی بھی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ قبریں اونچی تھیں، بلکہ مشرکین کا مسجد کے قریب پرانا قبرستان تھا۔ اس قبرستان کو اکھیڑ کر مسجد بنانا مقصود تھا۔

② نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ”اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے؟“

مسلمانوں کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی قبریں مراد ہیں۔“

(”جاء الحق“ : جلد ۱ ص ۲۹۴)

نعیمی صاحب نے جہالت کا ”لک“ توڑ دیا ہے۔ کہتے ہیں ”فوٹو کا کیوں ذکر ہے“ جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج رضی اللہ عنہ کو دو کاموں کے لیے مامور کیا تھا: ۱۔ ہر ذی روح کی تصویر مٹانے کے لیے۔ ۲۔ ہر قبر کو شرعی اونچائی کے مطابق برابر کرنے کے لیے۔

یہ مطلب نہ تھا کہ قبروں کے ساتھ تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ ان کو بھی ختم کرنا تھا۔ آج تک کسی محدث و مفسر نے یہ مطلب نہیں لیا۔ یہ مفتی صاحب کی اپنی گھڑ تل ہے۔ کیونکہ سنن

النسائی (۲۰۳۳) میں الفاظ ہیں: ولا صورة في بيت إلا طمستها .

”کسی گھر میں کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑیں۔“

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی

قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار کی تھیں۔“ (”جاء الحق“: جلد ۱ ص ۲۹۴)

یہ ہے ”مفتی“ صاحب کا مبلغ علم کہ سویتہ کا معنی ہی نہیں سمجھ سکے۔

تسوية القبور کا معنی یہ ہے کہ قبر کی شرعی اونچائی برقرار رکھنا نہ کہ پیوند زمین کرنا۔ کہتے ہیں کہ ”مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی ہو“ اس پر کیا دلیل ہے؟

ثابت ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حکم مطلق قبور کے متعلق تھا۔ اس کو کفار کی قبروں کے ساتھ خاص کرنا بے دلیل ہے۔ یہ سلف صالحین کی سخت مخالفت ہے اور حدیث کی معنوی تحریف اور زری جہالت ہے۔

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ”ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

تو اونچی قبریں اکھڑائیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر گنبد بنائیں۔“

(”جاء الحق“: جلد ۱ ص ۲۹۴)

یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اونچی قبریں اکھڑوانے کا حکم دیا، نہ ہی ان کے فرزند ابن حنفیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنایا۔ قبہ کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس سے خیمہ مراد ہے۔ یہ روایت بھی سنداً ”ضعیف“ ہے۔ اس کے باوجود مفتی

صاحب اس کو گنبد کے لیے ثبوت بنانے پر مصر ہیں۔ اس کو کہتے ہیں ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“

جناب نعیمی صاحب قبوں کا جواز یوں پیش کرتے ہیں: ”قبہ وغیرہ بنانا شرعاً سنت

صحابہ سے ثابت ہے۔“ (”جاء الحق“: جلد ۱ ص ۲۸۲)

قارئین کرام! مفتی صاحب کی بے باکی ملاحظہ فرمائیں کہ صحابہ کرام پر جھوٹ بولنے پر

کتنے دلیر نظر آتے ہیں۔ وہ کون سے صحابی ہیں جنہوں نے قبر پر گنبد بنایا تھا؟
 قبروں کو پختہ بنانے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں: ”حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون
 کی قبر پختہ پتھر کی بنائی تھی۔“ (”جاء الحق“: جلد ۱ ص ۲۹۰)
 یہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر صریح جھوٹ ہے اور خالص اہل کتاب کی روش ہے،
 جیسا کہ ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔

قبروں پر تعمیر کے نقصانات

قبروں پر تعمیر کے بے شمار نقصانات ہیں۔

① امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: وأكـره أن

يعظم مخلوق حتى يجعل قبره مسجداً ، مخافة الفتنة عليه ، وعلى من بعده من
 الناس . ”میں ناپسند کرتا ہوں کہ مخلوق کی اتنی تعظیم کی جائے کہ اس کی قبر کو مسجد

بنادیا جائے۔ خدشہ ہے کہ بنانے والا اور اس کے بعد والے لوگ (شرک) فتنے میں مبتلا
 ہو جائیں گے۔“ (کتاب الام للشافعی: ۱/۲۷۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ② ”اس سے قبر کے پاس نماز

پڑھنے کی راہ ہموار ہوتی ہے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

③ لوگ وہاں دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بدعت ہے۔

④ رسول اللہ ﷺ کی لعنت پڑتی ہے۔ ⑤ اس سے مقبرے آباد

اور مسجدیں ویران ہو جاتی ہیں، جبکہ دین اسلام اس کے برعکس تعلیم دیتا ہے۔

⑥ بعض زائرین کے سجدہ کرنے کا سبب بنتا ہے اور یہ بت پرستی ہے۔

⑦ مردے کی نذر و نیاز کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ ⑧ مردے کی عظمت

و ہیبت لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ ⑨ لوگ مردے

سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں اور مصائب سے نجات طلب کرنے لگتے ہیں۔
یہ تمام مفاسد قبروں پر تعمیر کے مرہونِ منت ہیں۔“

(اغاثہ اللہفان لابن القیم : ۱/ ۳۰۹-۳۱۰، ملخصاً)

بریلویوں کے مدوح ابن حجر ہیتمی (۹۰۹-۹۷۷ھ) لکھتے ہیں:

فإن أعظم المحرمات وأسباب الشرك الصلاة عندها واتخاذها مساجد
أو بناؤها عليها. والقول بالكرهية محمول على غير ذلك إذ لا يظن بالعلماء
تجويز فعل تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم لعن فاعله، وتجب المبادرة
لهدمها وهدم القباب التي على القبور، إذ هي أضّر من مسجد الضرار، لأنها
أسست على معصية رسول الله صلى الله عليه وسلم، لأنه نهى عن ذلك
وأمر صلى الله عليه وسلم بهدم القبور المشرفة، وتجب إزالة كل قنديل أو
سراج على قبر، ولا يصح وقفه ونذره.

”بڑے بڑے حرام کاموں اور شرک کے اسباب میں سے یہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز
پڑھی جائے، ان کو مسجد بنا لیا جائے یا ان پر عمارت بنائی جائے۔ کراہت کا قول کسی اور بات
(حرمت) پر محمول ہے، کیونکہ علمائے کرام کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسے فعل کو
جائز قرار دیں، جس کے کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ کی لعنت تواتر کے ساتھ ثابت ہو۔ ان
کو گرانا واجب ہے، اسی طرح ان قبوں کو بھی گرانا ضروری ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہیں، کیونکہ
یہ مسجدِ ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔ ان کی بنیاد رسول اکرم ﷺ کی مخالفت پر ہے۔
آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اونچی قبروں کو گرانے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی طرح قبر پر
موجود ہر قنديل اور ہر چراغ کو ہٹانا بھی واجب ہے۔ قبر پر وقف و نذر صحیح نہیں۔۔۔“

(الزواجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر الهيتمي : ۱/ ۱۲۰-۱۲۱)



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

خلیفہ بلا فصل کون؟

بعض لوگ قرآن وحدیث اور اجماع امت کی مخالفت کرتے ہوئے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ کہتے ہیں۔ ان کے حدیثی دلائل کا جائزہ پیش خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببراءة مع أبی بکر، ثم دعاه، فقال: لا ينبغي أن تبلغ هذا عني إلا رجل من أهلي، فدعا عليًا، فأعطاه إيّاه.

”نہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برائت کے ساتھ بھیجا، پھر ان کو بلایا اور فرمایا: اس برائت کو میرے گھر والوں میں سے کوئی آدمی پہنچائے تو ہی مناسب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو عطا فرمایا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۸۴-۸۵، مسند الامام احمد: ۳/۲۱۲، سنن الترمذی: ۳۰۹۰، وقال: حسن غریب، خصائص علی للنسائی: ۷۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۳۵۸۸، ۳۵۸۹، وسندہ حسن)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر: ۸/۳۲۰)

تبصرہ: نہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو کام سونپے

تھے۔ پہلا کام امارت حج اور دوسرا سورہ توبہ کی تبلیغ۔ آپ رضی اللہ عنہ امارت حج پر بدستور قائم رہے، البتہ سورہ توبہ کی آیات کی تبلیغ خاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگادی گئی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تبلیغ دین کی اہلیت نہیں رکھتے تھے یا تبلیغ دین صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا یا نہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناخوش تھے۔ ایسے بالکل نہ تھا۔ نہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ صرف یہ بیان کی کہ میرے گھر والوں میں سے ہی کوئی یہ تبلیغ کرے گا۔ کیونکہ امارت حج اس سے

بھی بھاری ذمہ داری تھی جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی اور آخر تک انہوں نے اسے نبھایا تھا۔
صحیح البخاری (۲/۶۷۱، ج: ۴۶۵۷) میں ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أبا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوُدَاعِ فِي رَهْطٍ يُؤْذَنُ فِي النَّاسِ أَنْ لَا يَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكًا ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَرِيَانًا .

”سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے قبل اللہ کے رسول ﷺ نے اس حج میں بھیجا جس میں انہیں لوگوں کے ایک بڑے گروہ میں امیر مقرر کیا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک قطعاً حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف کرے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب شرح مشکل الآثار کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

هذا مشكل ، لأن الأخبار في هذه القصة تدلّ على أنّ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان بعث أبا بكر بذلك ثم أتبعه علياً فأمره أن يؤذن فكيف يبعث أبو بكر أبا هريرة ومن معه بالتأذين مع صرف الأمر عنه في ذلك إلى عليّ ، ثم أجاب بما حاصله أنّ أبا بكر كان الأمير على الناس في تلك الحجّة بلا خلاف ، وكان عليّ هو المأمور بالتأذين بذلك ، وكانّ عليّاً لم يطق التأذين بذلك وحده ، واحتاج إلى من يعينه على ذلك ، فأرسل معه أبو بكر أبا هريرة وغيره ليساعدوه على ذلك ...

”اس میں کچھ اشکال ہے، کیونکہ اس قصہ کے بارے میں احادیث یہ بتاتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس حکم کے ساتھ بھیجا تھا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کے پیچھے بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ اعلان کریں۔ پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کا اعلان کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف کیسے بھیج سکتے تھے، حالانکہ یہ معاملہ ان سے واپس لے لیا گیا تھا؟ پھر امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے امیر تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس اعلان کا حکم دیئے گئے تھے۔ شاید یہ اعلان اکیلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ معاونت کے لیے لوگوں کے محتاج تھے۔ لہذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی معاونت کریں۔“ (فتح الباری لابن حجر: ۸/۳۱۸)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ خلافت کے اولین حقدار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، کیونکہ امیر حج آپ تھے۔ رہا سورۃ توبہ کی تبلیغ کا معاملہ تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) حدیث کے الفاظ لا ینبغی أن تبلغ هذا عنی کے تحت لکھتے ہیں:

ويعرف منه أنّ المراد خصوص القصة المذكورة ، لا مطلق التبليغ .
 ”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مخصوص مذکورہ واقعہ تھا، نہ کہ مطلق تبلیغ۔“

(فتح الباری لابن حجر: ۸/۳۱۹)

احمد بن عبد اللہ الطبری لکھتے ہیں: وهذا التبليغ والاداء يختصّ بهذه الواقعة لسبب اقتضاه ، وذلك أنّ عادة العرب في نقض العهود أن لا يتولّى ذلك إلا من تولّى عقدها ، أو رجل من قبيلته ، وكان النبي صلى الله عليه وسلم ولّى أبابكر ذلك جريا على عادته في عدم مراعاة العوائد الجاهلية ، فأمره الله تعالى أن لا يبعث في نقض عهودهم إلا رجلا منه قطعاً لحججهم وإزاحة لعللهم ، لئلا يحتجّوا بعوائدهم ، والدليل على أنه لا يختصّ التبليغ عنه بأهل بيته أنه قد علم بالضرورة أنّ رسله صلى الله عليه وسلم لم تنزل مختلفة إلى الآفاق في التبليغ عنه وأداء رسالته وتعليم الأحكام والوقائع يؤدّون عنه صلى الله عليه وسلم . ”یہ تبلیغ واداء اس واقعے کے ساتھ خاص ہے جس کا

ایک سبب متقاضی تھا۔ عرب کا دستور عہد کو توڑنے کا یہ تھا کہ اس کا اعلان وہی کرتا جس نے عہد کیا تھا یا اس کے قبیلے کا کوئی آدمی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پہلے جاہلیت کے دستور کو مد نظر نہ

رکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قبیلے کا کوئی آدمی اس کام کے لیے بھیجیں تاکہ ان کی حجت ختم ہو جائے اور ان کے حیلے کٹ جائیں اور وہ اپنے دستور کو دلیل نہ بنائے پھر میں۔ نبی اکرم ﷺ کے گھروالوں کے ساتھ تبلیغ خاص نہ تھی، اس پر دلیل ضروری طور پر معلوم بات ہے کہ تبلیغ، رسالت، احکام کی تعلیم اور پیغامات کے لیے آپ ﷺ کے پیغام رساں مختلف علاقوں کی طرف مختلف رہے ہیں۔“

(ذخائر العقبیٰ لاحمد بن عبد اللہ الطبری: ص ۱۲۹)

لہذا بعض لوگوں کا اس حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر دلیل بنانا، درحقیقت اس بات کا واضح اعتراف ہے کہ وہ دلائل سے تہی دست ہیں۔

فائدہ نمبر ①: جس روایت (مسند الامام احمد: ۳/۱) میں ہے کہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چل دیئے تھے، پیچھے سے جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو روپڑے یا جس روایت میں ہے کہ:

فانصرف أبو بکر، وهو کئیب .

میں واپس آئے۔“ (خصائص علی للنسائی: ۷۶)

یہ دونوں روایات ”ضعیف“ ہیں۔ ان میں ابواسحاق راوی کی ”تدلیس“ ہے، جو عن کے لفظ سے بیان کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر ②: امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الأربع : ائتمانه على براءة ، وما قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزاة تبوك ، فلو كان غير النبوة شيء يفوته لاستشاه ، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ((الثقلان كتاب الله وعترتي)) ، وإنه لم يؤمر عليه أمير قط ، وقد

”میں اس شخص کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ امّرت الأمراء علی غیرہ۔ جس میں چار خصلتیں جمع ہوں۔ ایک برائت کے اعلان کی امانت کی سپردگی، دوسری غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ان کو فرمانا کہ اگر نبوت کے علاوہ کوئی چیز ان سے رہتی ہوتی تو آپ ان کو خاص کر دیتے۔ تیسری نبی ﷺ کی یہ بشارت کہ دو بھاری چیزیں (جوجنات کی ضامن ہیں)، وہ کتاب اللہ اور میرا خاندان ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ کہ ان پر کبھی کوئی امیر مقرر نہیں کیا گیا، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر امیر مقرر کیے گئے تھے۔“

(شرح نہج البلاغة لابن ابی الحديد: ۱/ ۴۸۲، طبع بیروت)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کا راوی محمد بن عمر الواقدي جمہور محدثین کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”کذاب“ قرار دیا ہے۔

محمد بن عمر الواقدي (م ۲۰۷ھ) اور امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے تو واقدي نے امام حسن بصری سے کیسے روایت لے لی؟ واقدي سے نیچے بھی سند غائب ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کسی شیطان کی کارستانی ہے۔ یہ بین ثبوت ہے کہ بعض لوگوں کا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا دعویٰ بے ثبوت اور بے دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۳: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

هذا أمير البررة، قاتل الفجرة، منصور من نصره، مخذول من خذله۔
”یہ علی نیکوکاروں کے امیر اور کافروں کے قاتل ہیں۔ جو شخص ان کی نصرت کرے گا، وہ خود منصور ہوگا اور جو ان کی نصرت سے دست بردار ہوگا، وہ ذلیل و خوار ہوگا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳/ ۱۲۹، ح: ۴۶۴۴، الکامل لابن عدی: ۱/ ۱۹۲)

تاریخ بغداد للخطیب : ۲۱۹/۳

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ اس

روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: **وہذا حدیث منکر موضوع .**

”یہ منکر اور من گھڑت حدیث ہے۔“ (الکامل لابن عدی : ۱/۱۹۲)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ”الموضوعات“ (۱/۳۵۳) میں ذکر کیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ اُسے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **وہذا حدیث صحیح الإسناد .** ”اس حدیث کی سند صحیح ہے۔“

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے تعاقب میں لکھتے ہیں: **بل ، واللہ ! موضوع ، وأحمد کذاب ، فما أجهلک علی سعة معرفتک !**

”بلکہ اللہ کی قسم یہ من گھڑت روایت ہے۔ احمد راوی کذاب ہے۔ اتنے وسیع علم کے باوجود آپ اس راوی سے کتنے ناواقف رہ گئے ہیں!“ (تلخیص المستدرک : ۳/۱۲۹)

اس روایت کو گھڑنے والا احمد بن عبد اللہ بن یزید المکتب راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یضع الحديث .** ”یہ احادیث گھڑتا ہے۔“ (الکامل لابن عدی : ۱/۱۹۲)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یترک حدیثہ .** ”اس کی

حدیث چھوڑ دی جائے گی۔“ (تاریخ بغداد للخطیب : ۴/۲۲۰، وسندہ صحیح)

نیز اس روایت میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ”تدلیس“ ہے۔

اس طرح کی جھوٹی اور من گھڑت روایات سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت کرنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

دلیل نمبر ۴ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا انس اَوَّل من یدخل علیک من هذا الباب

امیر المؤمنین ، وسید المسلمین ، وقائد الغر المحجلین ، وخاتم الوصیین ، قال انس : قلت : اللّٰهُم اجعله رجلاً من الأنصار ، وکتمته ، إذ جاء علیّ ، فقال : من هنا یا انس ؟ فقلت : علیّ ، فقام مستبشراً فاعتنقه ، ثم جعل یمسح عرق وجهه بوجهه ، ویمسح عرق علیّ بوجهه ، قال علیّ : یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم ! لقد رأیتک صنعت شیئاً ما صنعت بی من قبل ؟ قال : وما یمنعنی وأنت تؤدّی عنی ، وتسمعهم صوتی ، وتبین لهم ما اختلفوا فیہ بعدی .

”اے انس! جو شخص سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا، وہ امیر المؤمنین، سید المسلمین، روشن اعضاء والے لوگوں کا قائد اور خاتم الوصیین ہوگا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دل میں دعا کی: الہی! ایسا شخص انصار میں سے قرار دے۔ اچانک علی رضی اللہ عنہ آگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں کون ہے اے انس! میں نے عرض کی: علی ہیں۔ آپ ﷺ خوش ہوتے ہوئے اٹھے اور ان کو گلے سے لگا لیا، پھر ان کے چہرے کا پسینہ اپنے چہرے کے ساتھ صاف کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو ایسا کام کرتے دیکھا ہے، جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز مانع ہے۔ آپ میرا پیغام پہنچاتے ہیں۔ لوگوں کو میری آواز سناتے ہیں اور میرے بعد جو وہ اختلاف کریں گے، آپ اس کی وضاحت کریں گے۔“ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی: ۱/۶۳-۶۴)

تبصرہ: یہ گھڑ تیل اور افک بین ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو

من گھڑت اور خود ساختہ قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی: ۱/۶۴)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هذا حدیث لا یصح .

”یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔“ (الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۵۰)

ابن عراق الکنانی نے بھی اُسے من گھڑت قرار دیا ہے۔ (تنزیہ الشریعة : ۲۴/۱)

① اس کے راوی ابراہیم بن محمد بن میمون کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
من أجلّاء الشيعة . ”یہ کٹر شیعوں میں سے تھا۔“

(میزان الاعتدال للذہبی : ۶۳/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وذكره الأسدي في الضعفاء وقال :

إنه منكر الحديث ، وذكره ابن حبان في الثقات ، ونقلت من خط شيخنا أبي
الفضل الحافظ أن هذا الرجل ليس بثقة .

”اسدی نے اسے ضعیف میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یہ منکر الحدیث راوی ہے۔ ابن حبان
نے اسے ثقات (۷۴/۸) میں ذکر کیا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالفضل الحافظ کے خط سے نقل کیا
ہے کہ یہ آدمی ثقہ نہیں ہے۔“ (لسان المیزان لابن حجر : ۱۰۷/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کی سند کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

(زوائد مسند البزار)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اُسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد : ۲۷۱/۳)

نیز اسے ثقہ بھی کہا ہے۔ (مجمع الزوائد : ۲۵۲/۱۰)

لہذا یہ دونوں قول ساقط ہیں۔ اس کا ضعف ہی رائج ہے۔

② القاسم بن جندب کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

③ علی بن عابس ”ضعیف“ راوی ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر : ۴۷۵۷)

دلیل نمبر ⑤ : نبي اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے

تو مسلمانوں میں عقدِ مواخات قائم کیا۔ صحابہ کرام کو بھائی بھائی بنایا اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا
بھائی بنایا۔

تبصرہ : عقدِ مواخات میں نبی اکرم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنانا ثابت نہیں۔ اس حوالے سے دلائل کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ ہو:

① نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ہم باہم بھائی ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۴۲/۲)

تبصرہ : یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤاخی بین أصحابہ ، فقال : علیّ أخی ، وأنا أخوه ، وأحبہ ... ”رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارہ کرا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی میرے بھائی ہیں۔ میں ان کا بھائی ہوں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱۳۲/۷)

تبصرہ : یہ سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی ہیاج بن بسطام ہروی راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کو امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابو حاتم الرازی، امام ابن حبان، امام ابن عدی وغیرہم رحمہم اللہ نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ضعیف ، روی عنه ابنہ خالد منکرات شدیدة . ”یہ ضعیف راوی ہے۔ اس سے اس کے بیٹے

خالد نے شدید منکرات روایات بیان کی ہیں۔“ (تقریب التہذیب لابن حجر: ۷۳۵۵)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

علیّ أخی وصاحبی وابن عمّی ، وخیر من أترک بعدی یقضی دینی وینجز موعدی . ”علی میرے بھائی ہیں اور دوست ہیں اور چچا زاد ہیں اور ان لوگوں میں سے سب سے بہتر ہیں، جن کو میں بعد میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ میرے قرض

چکائیں گے اور میرے وعدے پورے کریں گے۔“ (الکامل لابن عدی : ۶/۳۹۷)

تبصرہ : اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی مطربن میمون

الاسکاف باتفاق محدثین سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس کے حق میں ادنیٰ کلمہ توثیق ثابت نہیں۔

اسے امام بخاری، امام ابو حاتم الرازی، امام نسائی وغیرہم نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔

امام یعقوب بن سفیان، امام ابن عدی وغیرہما نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: متروک .

”یہ متروک راوی ہے۔“ (تقریب التہذیب لابن حجر : ۶۷۰۳)

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر : ۱۰/۱۵۴)

ان کے علاوہ جتنی بھی روایات وارد ہوتی ہیں، جن میں آپ ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے

مواخات کا ذکر ہیں۔ وہ ساری کی ساری ”ضعیف“ اور ناقابلِ حجت ہیں۔ اگر کسی کے پاس ایک

روایت بھی حسن سند کے ساتھ موجود ہو، جس میں نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھائی کہا

ہے۔ ہم اس کا جائزہ پیش کریں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اصولِ محدثین کی روشنی میں اس حوالے

سے ایک روایت بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ مدعی پر باسند صحیح دلیل لازم ہے۔

البتہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا ہے، جیسا کہ:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لو كنت متخذاً خليلاً لاتخذت أبا بكر ، ولكن أخى وصاحبى .

”اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔“

(صحیح البخاری : ۳۶۵۶، صحیح مسلم : ۲۳۸۳ عن عبد اللہ بن مسعود)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَمَنَ النَّاسَ عَلَىٰ فِي صَحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ ، وَلَوْ كُنْتَ مَتَّخِذًا خَلِيلًا ،
غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتَ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا ، وَلَكِنْ أَخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ ...

”لوگوں میں سے مجھ پر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے شخص ابو بکر ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو میں ابو بکر کو خلیل بناتا۔ لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور محبت و مودت ہے۔“ (صحیح البخاری : ۳۶۵۴، صحیح مسلم : ۲۳۸۲)

سیدہ خولہ بنت حکیم نے جب نبی اکرم ﷺ کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عائشہ تو نبی اکرم ﷺ کے بھائی ابو بکر کی بیٹی ہے۔ رشتہ کیسے ہوگا؟ اس پر نبی اکرم ﷺ نے سیدہ خولہ سے کہا کہ سیدنا ابو بکر کو کہیں:

أَنْتِ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ ، وَأَنَا أَخُوكَ ، وَابْنَتُكَ تَصْلَحُ لِي .

”آپ میرے اسلامی بھائی ہیں۔ میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ کی بیٹی میرے (نکاح کے) لیے جائز ہے۔“ تب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سیدہ عائشہ کا

نکاح کر دیا۔ (المعجم الكبير للطبرانی : ۲۳/۲۳، ح : ۵۷، وسنده حسن)

حافظ ہاشمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورجاله رجال الصحيح غير محمد بن

عمرو بن علقمة ، وهو حسن الحديث . ”اس کے سارے راوی صحیح بخاری

کے راوی ہیں، سوائے محمد بن عمرو بن علقمہ کے اور وہ حسن الحدیث ہیں۔“

(مجمع الزوائد للهيثمي : ۲۲۵/۹)

دلیل نمبر ④ : روى (ابراهيم بن الحسين [م ۲۸۱] ابن

ديزيريل قال : حدثنا يحيى بن زكريا قال : حدثنا علي بن القاسم عن سعيد بن طارق عن عثمان بن القاسم عن زيد بن أرقم قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((ألا أدلكم على ما إن تساء لثم عليه لم تهلكوا ؟ إن وليكم الله

وإنّ إمامكم عليّ بن أبي طالب ، فناصره ، وصدّقه ، فإن جبريل أخبرني بذلك . ”سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر اتفاق کر لو تو ہرگز ہلاک نہ ہو گے۔ (وہ امر یہ ہے کہ) تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارے امام علی بن ابی طالب ہیں۔ تم ان سے خیر خواہی کرو، ان کی تصدیق کرو۔ مجھے یہ بات جبریل علیہ السلام نے بتائی ہے۔“

(شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد : ۱/ ۵۷۰، طبع بیروت)

تبصرہ : یہ روایت کئی وجوہ سے باطل ہے۔ ابن دیزیل کا ”جزء“ اور ”کتاب الصفین“ دونوں مفقود ہیں۔ ائمہ اہل سنت میں سے کسی نے یہ روایت ذکر نہیں کی۔ ابن ابی الحدید کی نقل پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

① اس کے راوی علی بن القاسم کا تعین اور اس کی توثیق مطلوب ہے۔ اگر یہ الکندی ہے تو ”ضعیف“ ہے۔

اس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ليس بقوى .

”یہ قوی نہیں ہے۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : ۶/ ۲۰۱)

امام عقیلی فرماتے ہیں: شیعی ، فیہ نظر ، ولا يتابعه إلا من هو دونه أو نحوه . ”یہ شیعہ ہے۔ اس کی روایت محل نظر ہے۔ اس کی متابعت اس سے کمزور

یا اسی طرح کے کمزور راوی نے کی ہے۔“ (الضعفاء الكبير للعقيلي : ۳/ ۲۴۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیعیّ غال . ”یہ غالی شیعہ ہے۔“

(میزان الاعتدال للذهبي : ۴/ ۱۵۰)

صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ”الثقات“ (۸/ ۴۸۹) میں ذکر کیا ہے، لہذا اس کا ضعف ہی رائج ہے۔

② اس کے راوی عثمان بن القاسم کی تعیین و توثیق درکار ہے، نیز اس کا سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کیا جائے۔

③ ہمارے رجحان کے مطابق راوی یحییٰ بن زکریا دراصل زکریا بن یحییٰ الکسائی ہے، جو کہ ”متروک“ ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أكثر الأحاديث التي يروونها في فضائل أهل البيت الذي يقع فيه النكرة ومثالب غيرهم من الصحابة التي كلها موضوعات ، وهذا الذي قال ابن معين يحدث بأحاديث سوء ، إنما يرويه في مثالب الصحابة .

”اس کی بیان کردہ اکثر احادیث اہل بیت کے فضائل میں ہیں، وہ منکر روایات ہیں۔ دیگر صحابہ کے عیوب و نقائص پر مبنی جو روایات اس نے بیان کی ہیں، وہ ساری کی ساری جھوٹی ہیں۔ اس راوی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بُری روایات بیان کرتا ہے۔ یہ صحابہ کرام کے عیوب پر مبنی روایات بیان کرتا ہے۔“

(الکامل لابن عدی : ۲۱۴/۳، وفی نسخة : ۱۰۷۰/۳)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رجل سوء يحدث بأحاديث سوء .
”یہ بُرا آدمی ہے اور بُری احادیث بیان کرتا ہے۔“

(الضعفاء الكبير للعقيلي : ۸۶/۲، وسنده صحيح)

خود امام عقيلي رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کو باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔ (ایضاً)
امام نسائی رحمہ اللہ (الضعفاء والمترکون : ص ۱۷۹، ت : ۲۱۱) اور امام دارقطنی رحمہ اللہ (الضعفاء والمترکون : ۲۴۰) نے اسے ”متروک“ قرار دیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے واہ (کنزور) قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال : ۱۵۰/۴)
اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

دلیل نمبر ۸ :

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیا یوم الطائف فانتجاء ، فقال الناس : لقد طال نجواه مع ابن عمہ ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ((ما انتجیته ، ولكن الله انتجاء)) .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والے

دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی۔ لوگوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچا زاد کے ساتھ سرگوشی لمبی ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی ہے۔“ (سنن الترمذی: ۳۷۲۶، وقال: حسن غریب، المعجم الكبير للطبرانی: ۱۸۶/۲، ح: ۱۷۵۶، السنة لابن ابی عاصم: ، مسند ابی یعلیٰ: ۵۷۹/۲، اخبار اصبهان: ۱۴۱/۱، تاریخ بغداد للخطیب: ۴۰۲/۷)

تبصرہ :

اس کی سند ابوالزبیر کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے،

کیونکہ سماع کی تصریح نہیں کی۔

فائدہ نمبر ۱ :

وفات نعی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی تھی۔ وہ بھی ”ضعیف“ ہے۔ اس میں مغیرہ ابن مقسم راوی ”مدلس“ ہے، جو کہ عن کے لفظ سے روایت کر رہا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ عن یا قال کے الفاظ سے روایت کرے تو ”ضعیف“ ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ سماع کی تصریح کر دے۔

فائدہ نمبر ۲ :

زوائد مسند الامام احمد (۱/۱۰۵) اور المختارہ للفضیاء (۶۱۷) میں جو روایت ہے کہ نعی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی۔ وہ سلیمان بن مہران الاعمش کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

دلیل نمبر ⑨ :

نہی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((اَمَّا بَعْدُ ! فَإِنِّي أَمَرْتُ بِسَدِّ هَذِهِ الْأَبْوَابِ ، إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ ، وَقَالَ فِيهِ قَائِلُكُمْ ، وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا سَدَدْتُ شَيْئًا وَلَا فَتَحْتُهُ ، وَلَكِنِّي أَمَرْتُ بِشَيْءٍ فَاتَّبَعْتَهُ))
 ”اما بعد! میں نے ان تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تھا، سوائے علی کے دروازے کے۔ اس کے بارے میں بعض تمہارے لوگوں نے باتیں کی ہیں۔ بلاشبہ اللہ کی قسم میں نے نہ کسی چیز کو بند کیا ہے اور نہ کسی چیز کو کھولا ہے، بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ حکم دیا گیا اور میں نے اس کی پیروی کی۔“ (مسند الامام احمد: ۳۶۹/۴، خصائص علی للنسائی: ۳۸، المستدرک علی الصحيحین للحاکم: ۱۲۵/۳)

تبصرہ :

اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی میمون ابو عبد اللہ جمہور

کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۰۵۱)

لہذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ”صحیح الاسناد“ کہنا صحیح نہ ہوا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۱۳/۷) کا اس راوی کو ثقہ کہنا صحیح نہ ہوا۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وثقہ ابن حبان، وضعفہ جماعة۔
 ”اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے، لیکن ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۱۴/۹)

فائدہ :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وسد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبواب المسجد غیر باب علی، فکان یدخل المسجد جنبا، وهو طریقہ لیس له طریق غیره۔

”رسول اکرم ﷺ نے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے، سوائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔ آپ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہوتے۔ آپ کا یہی راستہ تھا

اور کوئی راستہ نہ تھا۔“ (مسند الامام احمد : ۱/ ۲۳۰، ۳۳۱، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل : ۱۱۶۸، السنة لابن ابی عاصم : ۱۳۵۱، مسند البزار (كشف : ۲۵۳۶) خصائص علی للنسائی : ۴۳، ۲۴، المعجم الكبير للطبرانی : ۱۲۵۹۳، المستدرک للحاکم : ۱۳۲/۳-۱۳۳، وسنده حسن)

اس کے معارض ایک متفق علیہ حدیث بھی ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یبقین فی المسجد باب إلا سدّ إلا باب ابی بکر۔ ”مسجد میں کوئی دروازہ نہ چھوڑا جائے، مگر بند کر دیا جائے، سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔“

کے۔“ (صحیح البخاری : ۱/ ۵۱۶، ح : ۳۶۵۴، صحیح مسلم : ۲/ ۲۷۳، ح : ۲۳۸۳) ان دونوں روایات کی تطبیق یہ ہے کہ مسجد نبوی کے ارد گرد کتنے ہی گھر تھے۔ ان کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ باہر کی طرف تھا اور ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی طرف کھلنے والے سبھی دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا کہ ان کا دروازہ بند نہیں ہوگا۔ رہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ تو وہ ایک ہی دروازہ تھا، جو مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ باہر کی طرف دروازہ تھا ہی نہیں، جیسا کہ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ جو مسجد کی طرف کھلتا تھا، وہ بند نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اہل علم نے کچھ یوں بیان کی ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۴۹-۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

قال العلماء : هذا إشارة إلى الخلافة . ”علمائے کرام نے کہا ہے کہ

یہ خلافت کی طرف اشارہ تھا۔“ (تاریخ الخلفاء للسیوطی : ص ۶۱)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۳۵۴ھ) اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه دلیل علی أنّ الخلیفة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان أبو بکر إذ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حسم عن الناس کلّهم أطماعهم فی أن یکونوا خلفاء بعده غیر أبی بکر بقوله : ((سدّوا عني کلّ خوخة فی المسجد غیر خوخة أبی بکر)) . ”اس حدیث میں دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد خلیفہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ مصطفیٰ ﷺ نے خلافت کے بارے میں سب لوگوں کا طمع یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ: مجھ سے مسجد میں ہر کھڑکی بند کر دو، سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔“

(صحیح ابن حبان، تحت حدیث: ۶۸۶۰)

ابن بطل رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) لکھتے ہیں: کما اختصّ هو أبا بكر بما لم يخصّ به غيره، وذلك أنه جعل بابَه في المسجد ليخلفه في الإمامة ليخرج من بيته إلى المسجد كما كان الرسول يخرج، ومنع الناس كلهم من ذلك دليل على خلافة أبي بكر بعد الرسول.

”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس چیز کے ساتھ خاص کیا ہے، جس کے ساتھ ان کے علاوہ کسی کو خاص نہیں کیا۔ وہ اس طرح کہ ان کا دروازہ مسجد میں رکھتا کہ ان کو امامت میں اپنا خلیفہ بنائیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے گھر سے مسجد میں نکل سکیں، جس طرح رسول اکرم ﷺ نکلتے تھے۔ آپ ﷺ نے سب لوگوں کو اس سے روک دیا۔ یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔“

(شرح البخاری لابن بطل: ۱۴۲/۳)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۳۶-۷۹۵ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وذكر في هذه الخطبة تخصيص أبي بكر من بين الصحابة كلهم بالفضل، وأوماً إلى خلافته بفتح بابَه إلى المسجد، وسدّ أبواب الناس كلهم، نفى ذلك إشارة إلى أنه هو القائم بالإمامة بعده، فإن الإمام يحتاج إلى استطراق المسجد، وذلك من مصالح المصلين فيه.

”نہی اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں سب صحابہ کرام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور مسجد میں ان کے دروازے کے کھلنے سے ان کی خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے اور سب لوگوں کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس نفی میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اکیلے ہی

آپ ﷺ کے بعد خلافت کے اہل ہوں گے، کیونکہ امام مسجد میں زیادہ آنے کا ضرور تمند ہوتا ہے۔ اسی میں نمازیوں کی مصلحت ہوتی ہے۔“ (فتح الباری لابن رجب : ۵۴۷/۲)

حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۱۹-۳۸۸ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی أمره بسد الأبواب الشارع إلى المسجد غير بابہ اختصاص شديد له ، وأنه أفردہ بأمر لا يشاركه فيه أحد ، وأول ما يصرف التأويل فيه الخلافة ، وقد أكد الدلالة عليها بأمره إياه بإمامة الصلاة التي لها بنى المسجد ، ولأجلها يدخل إليه من أبوابه ، ولا أعلم دليلاً في إثبات القياس والرد على نفاته أقوى من إجماع الصحابة على استخلاف أبي بكر ، مستدلين في ذلك باستخلاف النبي صلى الله عليه وسلم إياه في أعظم أمور الدين ، وهو الصلاة ، وإقامته إياه فيها مقام نفسه ، ففاسوا عليها سائر أمور الدين .

”آپ ﷺ کے دروازے کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کے نبوی حکم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی خصوصیت موجود ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو ایسے معاملے میں انفرادی حیثیت دی ہے کہ اس میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ اس کی سب سے پہلی تعبیر خلافت ہی ہے۔ اس کی دلالت کو مزید پختہ نوحی اکرم ﷺ کے ان کو نماز کی امامت کے حکم نے کر دیا ہے۔ نماز کے لیے ہی تو مسجد بنائی گئی تھی، اسی نماز کے لیے اس کے دروازوں میں سے داخل ہوا جاتا ہے۔ میں اس قیاس کے اثبات اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے رد میں خلافت ابوبکر پر صحابہ کرام کے اجماع سے بڑھ کر کوئی قوی دلیل نہیں جانتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات سے دلیل لے رہے تھے کہ نوحی اکرم ﷺ نے نماز جیسے سب سے بڑے دینی معاملے میں اپنا نائب بنا دیا ہے اور اپنے مصلی امامت پر فائز کیا ہے۔ انہوں نے اس نماز پر باقی امور دین کو قیاس کر لیا۔“

(فتح الباری لابن رجب : ۵۵۶/۲)

دلیل نمبر ⑩ : جب سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶ نازل ہوئی

تو نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا:

((اللّٰهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي))۔ ”اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۴۰۴)

تبصرہ : بے شک اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی

ہے، مگر وہ اس فضیلت میں منفرد نہیں، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے اوپر چادر ڈال کر اللہ تعالیٰ سے تین بار یہ دعا کی:

((اللّٰهُمَّ أَهْلِي بَيْتِي ، أَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ ، وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا)) ،

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو خوب پاک کر دے۔“

میں نے کہا: أَلَسْتَ مِنْ أَهْلِكَ؟ قال: بلى، فادخلی الکساء، قالت:

: فدخلت فی الکساء بعد ما قضی دعاءه لابن عمّه علی وابنیہ

وابنتہ فاطمة رضی اللہ عنہم . ”کیا میں آپ کے اہل میں سے نہیں ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ چادر میں داخل ہو جائیں۔ آپ ﷺ کے اپنے چچا زاد علی رضی اللہ عنہ،

ان کے دونوں بیٹوں اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرنے کے بعد میں چادر میں داخل

ہو گئی۔“ (مسند الامام احمد: ۶/۲۹۸، وسندہ حسن)

اس حدیث سے ”پنجتن“ کی بجائے ”چھتن“ ثابت ہو رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنی زوجہ

محترمہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی چادر کے نیچے رکھا۔

قارئین کرام! یہ وہ دلائل ہیں، جن کی بنیاد پر بعض لوگ اجماع صحابہ کی مخالفت میں سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل ثابت کرتے ہیں، نیز ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اصحاب رسول غاصب

اور ظالم تھے۔ العیاذ باللہ!

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

سورۃ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت

اللہ رب العالمین کا یہ فضلِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت و مغفرت کے اسباب مہیا کیے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب سورۃ بقرہ کی آخری آیاتِ پینات بھی ہیں۔ ان کی فضیلتِ نوحی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنئے:

① سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وأوتيت هؤلاء الآيات من آخر سورة البقرة من كنز تحت العرش ، لم يعط مثله أحد قبلي ، ولا أحد بعدى . ”مجھے سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئی ہیں۔ ان جیسی آیات نہ پہلے کسی کو ملی ہیں اور نہ بعد میں کسی کو ملیں گی۔“

(السنن الکبریٰ للنسائی : ۸۰۲۲ ، وسندہ حسن)

اس حدیثِ مبارکہ کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۶۴) اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۶۴۰۰) نے ”صحیح“

کہا ہے۔

② سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی

گئی تو تین چیزیں دی گئیں: ۱۔ پانچ نمازیں ۲۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور ۳۔ شرک کے سوا اپ کی امت کے لیے تمام گناہوں کی معافی۔“ (صحیح مسلم : ۱۷۳)

③ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله كتب كتابا قبل أن يخلق السماوات والأرض بألفي عام ، فأنزل منه

آيتين ختم بهما سورة البقرة ، ولا تقرآن في دار ثلاث ليال ، فيقر بها شيطان .

”اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے دو ہزار پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے

دو آیات نازل فرمائیں، جن کے ساتھ سورۃ بقرہ کا اختتام فرمایا۔ جس بھی مکان میں یہ آیتیں دن راتیں

پڑھ دی جائیں، شیطان اس میں ٹھہر نہیں سکتا۔“

(مسند الامام احمد : ۲۷۴/۴ ، سنن الترمذی : ۲۸۸۲ ، وقال : حسن غریب ، مسند الدارمی :

۴۴۹/۲ ، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۱/۵۶۲ ، ۲/۲۶۰ ، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۷۸۲) اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

④ ابوالاسود خالم بن عمرو الدؤلی کہتے ہیں: ”میں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مجھے وہ قصہ بیان کریں، جب آپ نے شیطان کو پکڑ لیا تھا۔ انہوں نے بتایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے صدقہ (کی حفاظت) پر متعین کیا۔ کھجوریں کمرے میں پڑی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کم ہو رہی ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کھجوریں شیطان لے جاتا ہے۔ ایک دن میں کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ اندھیرا اس قدر شدید تھا کہ اس نے دروازے کو ڈھانپ لیا۔ شیطان نے ایک صورت اختیار کی، پھر دوسری صورت اختیار کی۔ وہ دروازے کے شکاف سے اندر گھس آیا۔ میں نے بھی لنگوٹا کس لیا۔ اس نے کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ میں نے جھپٹ کر اُسے دبوچ لیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! (تو کیا کر رہا ہے؟) اس نے کہا: مجھے جانے دو۔ میں بوڑھا ہوں اور کثیر الاولاد ہوں۔ میرا تعلق نصیبین (بستی کا نام) کے جنوں سے ہے۔ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) کی بعثت سے پہلے ہم بھی اسی بستی کے باسی تھے۔ جب آپ ﷺ (مبعوث ہوئے تو ہمیں یہاں سے نکال دیا گیا۔) (خدارا!) مجھے چھوڑ دیں۔ میں دوبارہ کبھی نہیں آؤں گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر سارا معاملہ رسول اکرم ﷺ کو بتا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ کی طرف سے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ معاذ بن جبل کہاں ہے؟ میں غی اکرم ﷺ کی طرف چلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ کے قیدی کا کیا معاملہ ہے؟ میں نے آپ ﷺ کو سارا معاملہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عنقریب دوبارہ ضرور آئے گا۔ آپ بھی دوبارہ جائیں۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ شیطان آیا، دروازے کے شکاف سے اندر گھسنا اور کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ میں نے اس کے ساتھ وہی پہلے والا معاملہ کیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تُو نے آئندہ کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے کہا: میں آئندہ کبھی نہیں آؤں گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی تم میں سے سورۃ بقرہ کی (آخری آیات لِّلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...) نہیں پڑھے گا تو اسی رات ہم میں سے کوئی اس کے گھر میں داخل ہو جائے گا۔“ (الہواتف لابن ابی الدنیا:

۱۷۵، دلائل النبوة لأبی نعیم: ۵۴۷، المعجم الكبير للطبرانی: ۱۶۱/۲۰-۱۶۲، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۵۶۳/۱، دلائل النبوة للبيهقي: ۱۰۹/۷-۱۱۰، وسندہ حسن)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

⑤ ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من قرأ بالآيتين من آخر سورة البقرة في ليلة كفتاه)) ”جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھ لے گا، وہ اس کو کافی ہو جائیں گی۔“ (صحیح البخاری: ۵۰۰۹، صحیح مسلم: ۸۰۸) کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۔ یہ شیطان کہ شرانگیزیوں سے حفاظت دیں گی۔ ۲۔ ناگہانی مصائب اور آفات سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔ ۳۔ نماز تہجد سے کفایت کریں گی۔ ذرا سوچئے! ہمارے گھرانے خیر و بھلائی سے کس قدر محروم ہیں! اتنے بڑے نافع اور مفید عمل سے خالی اور شر سے لبریز ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ آپ اپنے گھر میں یہ سراسر خیر و برکت والا عمل کب شروع کرنے والے ہیں؟

⑥ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبریل علیہ السلام، نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگاہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آواز سنی۔ آپ ﷺ نے سر مبارک اوپر اٹھایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے، جسے صرف آج کھولا گیا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ جو آج اُتر رہا ہے، آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا۔ اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دوئوں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان میں جو حرف بھی پڑھیں گے، اس کا مصداق آپ کو مل جائے گا۔“ (صحیح مسلم: ۸۰۶)

تالیف حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ

0345

555 66 54

نظر ثانی

تصنیف حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اشراف

تصنیف علامہ مصلح علی بن علی رحمہ اللہ



ایک قرآن جو امت مسلمہ کے کندھے سے چکا دیا گیا

صحیح بخاری پر کیے گئے فنی تاریخی اور عقلی استنتاجات کا جواب

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنہ انکارِ حدیث سے

فون نمبر

کتاب سرائے، پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

0300-9401474

042-35427017

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

ملنے کا پتہ